© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

زبانِ خلق کو نقّارۂ خدا سمجھو

پروفیسر خورشید احمد

جمہوری ممالک میں چار سے پانچ سال ایک ایسی مدت ہے جس میں ایک حکومت یا قیادت کی کارکردگی' پالیسیوں کی صحت و عدمِ صحت اور قبولیت یا غیر مقبولیت کو جانچنے کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے۔ جنرل پرویز مشرف کو پاکستان کا بلاشرکت غیرے حکمران بنے' اب ساڑھے پانچ سال سے زیادہ ہوچکے ہیں۔ اگرچہ ان کی اور ان کے امریکی سرپرستوں کی نگاہیں ۲۰۰۷ء اور ۲۰۱۲ء پر لگی ہوئی ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین تیزی کے ساتھ سرک رہی ہے۔ جن بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ وہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو فوج کی طاقت استعمال کرتے ہوئے اقتدار پر قابض ہوئے تھے وہ ریت کی دیوار ثابت ہوئے۔ ہوا کے رخ کا اندازہ لاکھوں افراد کے چار مظاہروں اور ۲ اپریل کی ملک گیر ہڑتال سے کیا جاسکتا ہے جو ساری سرکاری مخالفت' میڈیا کے ہیجانی طوفان' ملک کے طول و عرض میں متحدہ مجلس عمل کے ہزاروں کارکنوں کی پیش از ہڑتال گرفتاری اور پیپلز پارٹی کی زبانی ہمدردی لیکن ہڑتال سے مکمل عدم تعاون کے باوجود ایک مکمل اور مؤثر ترین عوامی احتجاج اور مجلس عمل پر عوامی اعتماد کا اظہار تھی۔

یہ عوامی جدوجہد مجلس عمل کی قیادت میں قانون کی پابندی اور جمہوری روایات کے مطابق ملک کی سیاست میں ایک نئی تبدیلی کا پیش خیمہ ہے۔ اس میں مجلس عمل کے کارکنوں کے ساتھ عوام کی بڑھتی ہوئی شرکت زمینی حقائق کی صحیح تصویر کشی کرتے ہیں۔ مجلس عمل نے تمام سیاسی قوتوں کو بشمول مسلم لیگ (ن) اور پاکستان پیپلز پارٹی اس قومی احتجاج میں شرکت کی دعوت دی لیکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمران خان (تحریکِ انصاف) کے سوا کسی نے بھرپور شرکت نہیں کی۔ اس طرح مجلس عمل کو تن تنہا اپنی عوامی قوت اور تائید کا اندازہ کرنے اور اسے کامیابی کے ساتھ متحرک کرنے کا بھی ایک تاریخی موقع حاصل ہوگیا جس کا اعتراف ان تمام سیاسی تجزیہ نگاروں اور کالم نویسوں نے کیا ہے جو مجلس عمل کے مؤید نہ ہوتے ہوئے بھی سیاسی حقائق کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے اور جن کا کام بقول سیکرٹری جنرل مسلم لیگ (ق) صرف ''سرکاری سچ'' کی تشہیر نہیں۔ رہا مجلس عمل کے احتجاج کا پُرامن اور جمہوری کردار اور منظم انداز کار' تو اس کا اعتراف تو جنرل پرویز مشرف تک کو رائٹر کے نمایندے کو دیے جانے والے ایک حالیہ انٹرویو میں کرنا پڑا:

ان اجتماعات میں نظم وضبط کا خیال رکھا گیا۔ (دی نیوز انٹرنیشنل' لندن' ۵ اپریل ۲۰۰۵ء' ص ۳)

حقیقی جمہوریت کے احیا' پاکستان کی آزادی اور حاکمیت کے دفاع' اس کے اسلامی تہذیبی تشخص کی حفاظت اور عوام کے مسائل کے حل اور مصائب سے نجات کے لیے جو عوامی تحریک اب شروع ہوگئی ہے' وہ اگر ایک طرف پاکستان کے مستقبل کے رخ کو متعین کرنے میں تاریخی سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے تو دوسری طرف اس کے ذریعے وہ ایشوز بھی کھل کر قوم کے سامنے آگئے ہیں جو حکومت اور اس کو چیلنج کرنے والی عوامی قوت (مجلس عمل) کے درمیان باعث نزاع ہیں۔ چونکہ یہ تحریک اب عوامی احتجاج کے دور میں داخل ہوگئی ہے اور صرف سیاسی کارکن ہی نہیں بلکہ عام شہری' تاجر' دانش ور' علما اور طلبہ' سب اس میں شریک ہو رہے ہیں اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس تحریک کے مثبت قومی اہداف کو بالکل وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا جائے اور حکومت کے ترجمان اور ان کے حواری قلم کار حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کر کے اور جھوٹی خبروں سے کنفیوژن پھیلانے کی جو مہم چلا رہے ہیں اس کا پردہ پوری طرح چاک کر دیا جائے۔

کہا جا رہا ہے کہ وردی کوئی مسئلہ نہیں' اصل مسئلہ تو معاشرتی ترقی اور میگا پروجیکٹس کی تکمیل کا ہے اور گویا حزب اختلاف ان کی مخالف ہے' جب کہ جنرل پرویز مشرف اور ان کے ساتھی معاشی ترقی' ہمسایوں سے دوستی اور عالمی برادری سے ہم آہنگی کے لیے ساری دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیئے اس امر کا جائزہ لیں کہ اصل مسئلہ ہے کیا؟

اقبال اور قائد کا تصور پاکستان

سب سے بنیادی سوال یہ ہے کہ آخر ہم نے انگریز اور ہندو قیادت دونوں کے خلاف جنگِ آزادی کن مقاصد کے لیے لڑی تھی؟ اگر مسئلہ صرف معاشی ترقی اور میگا پروجیکٹس ہی کا تھا اور عالمی قوتوں سے ہم آہنگی اصل منزل مراد تھی تو پھر برطانیہ سے' جو اس وقت کی سوپر پاور تھی' اور جس کے استعماری راج کا ہدف ہی ترقی اور مغرب کے نمونے پر ملک کی تعمیر تھا' لڑائی کس بات کی تھی؟ ریل کی پٹڑی اور سڑکوں کا جال تو انگریز کے دور میں بچھا دیا گیا تھا۔ صنعتی انقلاب بھی اس دور میں شروع ہو گیا تھا' نیا تعلیمی نظام بھی انھی کا مرہونِ منت تھا۔ ان کا دعویٰ تھا ہی یہ کہ ہم ساری دنیا میں ترقی اور تہذیبِ نو کے پرچارک ہیں۔ پھر مخالفت اور تصادم کس لیے تھا؟

حالات کا جتنا بھی تجزیہ کیا جائے' یہ بات بالکل نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اصل لڑائی آزادی' حاکمیت' اپنے دین' اپنی اقدار' اپنی تاریخ اور اپنے قومی و ملّی تشخص کی حفاظت اور ترقی کی تھی۔ معاشی ترقی وہی معتبر ہے جو قوم و ملک کی آزادی اور اقدارِ حیات کے مطابق اور ان کو تقویت دینے والی ہو۔ عالمی قوتیں ہوں یا ہمسایہ ممالک' سب سے دوستی اور تعاون صرف اس فریم ورک میں مطلوب ہے جس میں ملک و ملّت کی آزادی اور نظریاتی و تہذیبی تشخص مضبوط اور محفوظ ہو۔ صرف معاشی اہداف تو برطانیہ کی حکمرانی میں بھی حاصل ہو سکتے تھے اور آزادی کی صورت میں ملک کی تقسیم کے بغیر بھی مشترک مقاصد کی حیثیت اختیار کر سکتے تھے۔ پاکستان کے قیام کا اصل جواز (raison de'tere) تو یہ صرف یہ تھا کہ نہ صرف ملک آزاد ہو بلکہ مسلمان بھی آزاد ہوں اور وہ اپنے دین و ایمان' اپنے اصول و اقدار اور اپنے تہذیبی تشخص کی مناسبت سے ترقی کی منزلیں طے کر سکیں۔

علامہ اقبالؒ نے آخری زمانے (مارچ ۱۹۳۸ء) میں واضح کر دیا تھا کہ انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے سے ہمارا مقصد یہی نہیں کہ ہم فقط آزاد ہو جائیں' بلکہ ہمارا اول مقصد یہ ہے کہ اس آزادی کا نتیجہ اسلام کی بنیاد پر ایک دارالسلام کی صورت میں ظاہر ہو اور مسلمان طاقت ور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن جائیں لیکن اگر یہ نتیجہ حاصل نہ ہو سکے تو پھر ایسی آزادی پر ہزار مرتبہ لعنت۔ (مقالاتِ اقبال، مرتبہ عبدالاحد معین، ص ۳۳۷-۳۳۸)

قائداعظمؒ نے قرارداد لاہور سے بھی پہلے صاف لفظوں میں کہا تھا کہ:

وہ لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور اپنے مطالبات پیش کرنے میں خوف و خطر کو پاس نہ پھٹکنے دیں۔ نیز اپنے ملی، مذہبی، معاشرتی اور روایاتی حقوق کی حفاظت کے لیے نبردآزما رہیں۔ میں کانگریس سے یا ہندوؤں سے مساوات کے اصول پر آبرومندانہ مصالحت کرنے پر آمادہ ہوں لیکن میں مسلم قوم کو ہندوؤں یا کانگریس کا حاشیہ بردار نہیں بنا سکتا۔ (خطاب جبل پور، ۷ جنوری ۱۹۳۸ء، بحوالہ گفتار قائداعظم، مرتبہ احمد سعید، قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد، ص ۱۹۱)

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے اقتصادی ترقی کے سراب کا پردہ چاک کرتے ہوئے بتایا کہ ہندو قیادت کا مقصد مسلمانوں کو دینی، اخلاقی اور تہذیبی اعتبار سے اپنا محکوم بنانا ہے۔ انھوں نے فرمایا:

وہ ہمیں بندے ماترم جیسے مشرکانہ اور ملحدانہ گیت گانے پر مجبور کر رہی ہے۔ مجھے بحیثیت مسلمان، دوسری اقوام کے تمدن، معاشرت اور تہذیب کا پورا احترام ہے لیکن مجھے اپنے اسلامی کلچر اور تہذیب سے بہت زیادہ محبت ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہماری آنے والی نسلیں اسلامی تمدن اور فلسفے سے بالکل بے بہرہ ہوں۔ مسلمانوں کے لیے یہ امر قطعاً ناقابلِ قبول ہے اور ناقابلِ برداشت ہے کہ وہ اپنی حیات اور ممات، زبان، تہذیب و تمدن ایک ایسی اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں کہ جس کا مذہب، تہذیب اور تمدن اس سے قطعاً مختلف ہے اور جن کا موجودہ سلوک مسلمانوں کے ساتھ نہایت برا ہے بلکہ مذموم اور غیر منصفانہ ہے۔ (گفتار قائداعظم، ص ۲۰۶)

میمن چیمبر آف کامرس اور میمن مرچنٹس ایسوسی ایشن کے ایک استقبالیے میں قائداعظمؒ نے وضاحت سے اپنا مؤقف پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا:

مسلمانوں کے لیے پروگرام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے پاس تو تیرہ سو برس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ایک مکمل پروگرام موجود ہے اور وہ قرآن پاک ہے۔ قرآن پاک ہی میں ہماری اقتصادی' تمدنی و معاشرتی اصلاح و ترقی کے علاوہ سیاسی پروگرام بھی موجود ہے۔ میرا اس قانونِ الٰہیہ پر ایمان ہے اور جو میں آزادی کا طالب ہوں وہ اسی کلامِ الٰہی کی تعمیل ہے۔ قرآن پاک ہمیں تین چیزوں کی ہدایت کرتا ہے: آزادی' مساوات اور اخوت۔ بحیثیت ایک مسلمان کے' میں بھی انھی تین چیزوں کے حصول کا مستحق ہوں۔ تعلیمِ قرآن میں ہی ہماری نجات ہے اور اس کے ذریعے سے ہم ترقی کے تمام مدارج طے کر سکتے ہیں۔ (ایضاً، ص ۲۱۶)

قراردادِ لاہور کے بعد ۲۱ دسمبر ۱۹۴۰ء کو احمد آباد میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا:

دونوں قوموں کی آزادی کے لیے پاکستان بہترین ذریعہ ہے۔ مسلمانوں کو ہندو صوبوں میں پس جانے کا خوف نہیں کرنا چاہیے۔ مسلم اقلیت والے صوبوں کے مسلمانوں کو اپنی تقدیر کا مقابلہ کرنا چاہیے لیکن مسلم اکثریت والے صوبوں کو آزادی دلانی چاہیے تاکہ وہ اسلامی شریعت کے مطابق اپنی زندگی بسر کرسکیں۔ (ایضاً، ص ۲۵۴)

حیدرآباد دکن میں راک لینڈ کے سرکاری مہمان خانے میں نوجوانوں کے اجتماع میں سوال جواب کی محفل میں پاکستان کے لیے اسلامی نظام کی بحث میں بڑے بنیادی نکات کی وضاحت کی:

سوال: مذہب اور مذہبی حکومت کے کیا لوازم ہیں؟

قائداعظم: جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور قوم کے محاورے کے مطابق میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبتوں اور رابطے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں ہے۔ میں نہ تو کوئی مولوی ہوں نہ مُلّا' نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے' البتہ میں نے قرآن مجید اور اسلامی قوانین کے مطالعے کی اپنے تئیں کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب میں اسلامی زندگی سے متعلق ہدایات کے باب میں زندگی کے روحانی پہلو' معاشرت' سیاست' معیشت'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو قرآن مجید کی تعلیمات کے احاطے سے باہر ہو۔ قرآن کی اصولی ہدایات اور اس کا سیاسی طریقۂ کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہے بلکہ اسلامی سلطنت میں غیر مسلموں کے لیے بھی سلوک اور آئینی تحفظ کا اس سے بہتر تصور ممکن نہیں۔

س: ترکی ایک سیکولر اسٹیٹ ہے۔ اسلامی حکومت اس سے مختلف ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

قائداعظم: ترکی حکومت پر میری نظر میں سیکولر اسٹیٹ کی سیاسی اصطلاح اپنے پورے مفہوم میں منطبق نہیں ہوتی۔ اب اسلامی حکومت کے تصور کا یہ بنیادی امتیاز پیش نظر رہے کہ اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے اس لیے تعمیل کا مرکز قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی، نہ کسی شخص یا ادارے کی۔ قرآن کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔ آپ جس نوعیت کی بھی حکمرانی چاہیں، بہرحال آپ کو سلطنت اور علاقے کی ضرورت ہے۔

س: وہ سلطنت ہمیں ہند میں کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

قائداعظم: مسلم لیگ، اس کی تنظیم، اس کی جدوجہد، اس کا رخ اور اس کی راہ ــــ سب اسی سوال کے جواب ہیں۔ (ایضاً، ص ۲۶۱-۲۶۲)

ہم نے قدرے تفصیل سے قائداعظمؒ کے تصور پاکستان کے چند پہلو اس لیے بیان کیے ہیں کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ بلاشبہہ ہمیں بڑے بڑے ترقیاتی منصوبوں کے ذریعے معاشی استحکام مطلوب ہے لیکن اصل ہدف مسلم اُمت کی آزادی، حاکمیت اور تہذیبی و دینی تشخص کی حفاظت اور ترقی ہے۔ معاشی ترقی اسی کُل کے ایک حصے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے آج بھی پاکستان کی بقا، ترقی اور استحکام کا انحصار صرف معاشی عوامل پر نہیں بلکہ سیاسی، تہذیبی اور معاشی، سب عوامل کے ہم آہنگ اور ہم رنگ ہونے پر ہے۔

جنرل پرویز مشرف کے خلاف جو تحریک آج ملک کے طول و عرض میں پروان چڑھ رہی ہے، اس کا تعلق محض ان کی ذات سے نہیں بلکہ اصل چیز وہ نظامِ حکومت، وہ طرزِ حکمرانی اور وہ ملکی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بین الاقوامی پالیسیاں ہیں جن کا وہ عنوان بن گئے ہیں۔ ساڑھے پانچ سال میں ان کے عزائم کھل کر سامنے آگئے ہیں۔ اگر ان کے اس نظامِ حکومت کو دو اور دو چار کی طرح واضح الفاظ میں بیان کیا جائے تو اس کے سات اجزا نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔ یہ نکات ان کے بیانات ہی نہیں، ان کی حکومتی پالیسیوں اور عملی اقدامات سے واضح ہوتے ہیں۔ عوامی احتجاجی تحریک ان ہی کے خلاف ہے۔

○ **فردِ واحد کی حکومت**: ان کے نظامِ حکومت کی پہلی خاصیت فردِ واحد کی حکومت ہے۔ وہ دستور، قانون، ضابطوں اور روایات کسی کا بھی احترام نہیں کرنا جانتے اور خود اپنے بنائے دستور اور ضابطے کے بھی قائل نہیں۔ انھوں نے شخصی حکمرانی کا راستہ اختیار کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دستور ایک غیر متعلق کتاب اور پارلیمنٹ غیر مؤثر ادارہ بن کر رہ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی اپنی بنائی ہوئی حکومت بھی اس کھیل میں ایک بے بس تماشائی ہے۔ بظاہر وزیراعظم چیف ایگزیکٹو ہے لیکن اس کی عملی حیثیت چیف آبزور (معزز ترین تماشائی) اور من کہ ایک فدوی (most obedient servant) سے زیادہ نہیں۔ پالیسی کے معمولات ہوں، یا عالمی رہنماؤں سے مذاکرات اور معاہدات کے معاملات یا نظامِ حکومت کو چلانے کے لیے انتظامی اقدامات، حتیٰ کہ معمولی معمولی تقرریاں اور تبادلے ___ سب کا انحصار ایک فردِ واحد پر ہے۔ ادارے مضمحل اور غیر مؤثر ہو کر رہ گئے ہیں اور قوانین اور ضابطے کاغذ پر بے جان، بے معنی اور بے توقیر الفاظ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ جمہوریت اور اسلامی اصولِ حکمرانی کی ضد ہے اور موجودہ احتجاجی تحریک کا پہلا ہدف اس شخصی حکمرانی کو چیلنج کر کے دستور، قانون اور اداروں کی بالادستی کا قیام ہے۔

○ **فوج کی بالادستی**: دوسرا نکتہ ملک کے نظامِ حکمرانی میں دستور کے مطابق سیاسی اور سول قوتوں کی بالادستی کا قیام ہے۔ وردی دراصل عنوان ہے ملک کے سیاسی نظام پر فوجی قیادت کے غیر قانونی تسلط کا۔ مخالفت وردی کی نہیں، وردی کے غلط استعمال کی ہے۔ فوج کی وردی فوج کی قیادت اور سپاہ کو زیب دیتی ہے۔ مملکت کی صدارت اور حکمرانی پر فائز تمام افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ دستور کے مطابق جمہوری ذرائع سے برسرِ اقتدار آئیں اور ان اوصاف کے حامل ہوں جو دستور نے بیان کیے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دستور نے فوج کے تمام افسروں اور جوانوں کے لیے لازم کیا ہے کہ وہ سیاست میں ملوث نہ ہوں اور فوج پوری قوم کی معتمد علیہ اور صرف اور صرف دفاع وطن کے لیے مخصوص ہو۔ فوج کی قیادت کی تربیت اس خاصی قسم کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے ہوتی ہے اور وہ سیاست اور نظامِ حکمرانی کو چلانے کی اہلیت اور ذہنیت دونوں سے عاری ہوتے ہیں۔ پھر فوج کے سیاست میں آجانے سے وہ ایک متنازعہ قوت بن جاتی ہے جس سے اس کی دفاعی صلاحیت بری طرح مجروح ہوتی ہے۔ جنرل مشرف نے جو پالیسی اختیار کی ہے' اس کی وجہ سے فوج کا عمل دخل سیاست اور حکمرانی کے ہر شعبے میں اس طرح ہو گیا ہے کہ اب ان تمام میدانوں میں اسے حریف تصور کیا جانے لگا ہے۔ ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ خطرناک کیفیت پیدا ہو رہی ہے کہ عوام چند جرنیلوں ہی کو ہدف تنقید و ملامت نہیں بنا رہے بلکہ فوج بحیثیت ایک ادارے کے اپنی عزت و احترام کھو رہی ہے اور اس کے خلاف بے اعتمادی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اب اس کی طرف نگاہیں قوم اور وطن کے محافظ کی حیثیت سے نہیں اٹھ رہیں۔ وہ بگاڑ اور لوٹ کھسوٹ میں شریک اداروں میں ایک شریک کار کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ یہ صورت حال دفاع وطن اور خود فوج کی عزت اور وقار کے لیے بڑا خطرہ ہے۔ وردی پر اصرار کر کے جنرل پرویز مشرف نے اپنی ساکھ ہی کو خاک میں نہیں ملایا' پوری فوج کے وقار اور عزت کو بھی پامال کیا ہے۔ جس طمطراق سے وہ دفاعی حصار میں منعقد کیے جانے والے سیاسی جلسوں میں فوجی وردی میں شرکت کر رہے ہیں اور ایک مخصوص سیاسی ٹولے کے لیے مہم چلا رہے ہیں' اس نے فوج کو بحیثیت ادارہ' سیاست کی دلدل میں گھسیٹ لیا ہے اور یہ مقدس وردی اس بری طرح داغ دار کر دی گئی ہے کہ اسے محض فوجی وردی قرار دینا ایک سنگین مذاق بن گیا ہے۔

جمہوری احتجاجی تحریک کا دوسرا ہدف فوج کو ایک بار پھر ایک مضبوط اور مؤثر دفاعی ادارہ بنانا' اسے سیاست کی آلایش سے پاک کرنا' اور پورے فوجی نظام کو دستور کے مطابق سول نظام کے تابع اور اس کا معاون بنانا ہے' حکمران رکھنا نہیں۔

○ **قومی وقار کی پامالی**: جنرل پرویز مشرف یہ کہتے ہوئے آئے تھے کہ قومی وقار اور عزت کو بحال کریں گے لیکن عملاً صورتِ حال یہ ہے کہ ان ساڑھے پانچ سالوں میں اور خصوصیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نائن الیون کے بعد کے ان کے اقدامات اور پالیسیوں کے نتیجے میں پاکستان امریکا کا تابع مہمل بن گیا ہے۔ دنیا بھر میں آج امریکا کی غیر منصفانہ اور ظالمانہ پالیسیوں کے خلاف نفرت کا لاوا پک رہا ہے۔ مغربی دنیا میں ۷۰ سے ۸۰ فی صد عوام اور عالم اسلام میں ۹۰ سے ۹۵ فی صد آبادی اسے ایک سامراجی قوت‘ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نبردآزما ایک جارح فریق اور عالمی امن کو تہ و بالا کرنے اور انصاف اور انسانی حقوق کو پامال کرنے والی ایک استبدادی طاقت قرار دے رہے ہیں۔ پاکستان کی حکومت ’دہشت گردی‘ کے خلاف امریکی جنگ میں اپنے کردار پر اتنا فخر کر رہی ہے کہ اسے‘ خصوصیت سے جنرل پرویز مشرف کو امریکا کے سب سے تابع دار حلیف اور خدمت گزار کی حیثیت سے دیکھا جا رہا ہے۔ پوری اُمت مسلمہ کی نگاہوں میں ہم نفرت اور حقارت کا ہدف بن گئے ہیں۔ دوسری طرف اس کے نتیجے میں ملک میں بدامنی اور بےچینی پھیل رہی ہے۔ تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد امریکی اور دوسرے اتحادی سفارت خانوں کو معرضِ خطر میں دکھایا جاتا ہے اور پاکستان سفر کرنے والوں کے لیے تنبیہ جاری کی جاتی ہے۔

کبھی پاکستان کو عالم اسلام میں عزت اور وقار کا مقام حاصل تھا اور آج عالم اسلام کے عوام پاکستان کی قیادت کو صرف امریکا کا بغل بچہ سمجھ رہے ہیں۔ ہماری خارجہ پالیسی جتنی بے آبرو آج ہے‘ اتنی کبھی نہ تھی۔ اور اب تو صاف کہا جا رہا ہے کہ ہماری کوئی خارجہ پالیسی نہیں‘ ہم اپنے قومی مفادات کی قیمت پر بھی امریکا کے مفادات بخوشی پورا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمیں بحیثیت قوم اس کے کارندے کا کردار ادا کرنے میں کوئی تکلف نہیں۔ بھارت سے دوستی بھی امریکا کے زیرہدایت کی جارہی ہے‘ اور عوامی ردعمل جاننے کے لیے اسرائیل کو تسلیم کرنے تک کے محاسے (feeler) اس کے اشارے پر دیے جا رہے ہیں۔ ایران پر امریکی دباؤ میں ہم بھی کردار ادا کر رہے ہیں اور نوبت بہ اینجا رسید کہ یہ تک کہہ رہے کہ ایک ہمسایہ مسلمان ملک پر ایک صریح ظالمانہ حملے کی صورت میں ہم مظلوم کا ساتھ دینے والے نہیں بلکہ خاموش تماشائی ہوں گے جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب کل یہی کچھ ہمارے ساتھ ہو تو کوئی ہمارے حق میں آواز اٹھانے والا بھی نہ ہو۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کی 'روشن خیال' تعبیر

بات صرف سیاسی آزادی اور حاکمیت کے باب میں سمجھوتے تک محدود نہیں' اس دورِ حکومت میں خطرناک رجحانات کو ہوا دی جارہی ہے: نظریاتی انتشار' دوقومی نظریے کے بارے میں شدید ژولیدہ فکری و مغرب کی آبرو باختہ تہذیب و ثقافت کا فروغ' بھارت کی مشرکانہ اور ہندو تہذیبی یلغار کے لیے خوش آمدید کا رویہ___ یہ سب باتیں پاکستان کے وجود اور اس کی تہذیبی شناخت کے لیے شدید خطرے کا باعث ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ مسلم لیگ (ق) کی قیادت عام حالات میں اسلام اور مسلمانوں کی اقدار ہی کی باتیں کیا کرتی تھی' اب وہ بھی بھارت کے ساتھ مشترک تہذیب کے راگ الاپ رہی ہے۔ کوئی مشترک پنجابی تہذیب کی بات کرتا ہے تو کوئی اپنے ماتھے پر تلک لگا کر' ہندو جنونیوں کے لیڈر شری ایل کے ایڈوانی کو لاہور کے قلعے میں مندر کا سنگِ بنیاد رکھنے کی دعوت دے رہا ہے ۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

اسی لئے میں ایک آواز ''اعتدال پسندی اور روشن خیالی'' کی بلند کی جارہی ہے جس کے نام پر کبھی داڑھی اور حجاب کا مذاق اڑایا جاتا ہے' کبھی چوروں کے ہاتھ کاٹنے کو وحشت اور ظلم قرار دیا جاتا ہے' کبھی حدود قوانین کو ہدف تنقید بنایا جاتا ہے تو کبھی توہین رسالتؐ کا قانون کانٹا بن کر چبھنے لگتا ہے۔ کبھی بسنت کے نام پر شراب و شاہد اور فحاشی کا بازار گرم کیا جاتا ہے' کبھی مخلوط میراتھن ریس کا ڈراما رچایا جاتا ہے' کبھی دینی تعلیم اور مدارس کو زیرِ عتاب لایا جاتا ہے اور کبھی انتہاپسندی کے نام پر ہر اصول و ضابطے اور تمام اقدار و روایات کو ہدفِ تنقید بنایا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ ترقی نام ہے بے حجابی' عریانی اور فحاشی کو فروغ دینے کا۔

یہ سب کچھ اقبال اور قائداعظم کے تصورِ جدیدیت کے نام پر کیا جارہا ہے حالانکہ قائداعظم نے جس پاکستان کے لیے جدوجہد کی تھی اور مسلمانوں نے قربانیاں دی تھیں وہ اسلامی تہذیب و معاشرت کی حفاظت اور فروغ کے ہدف کے لیے تھی' مغربی تہذیب اور ہندو ثقافت کے فروغ کے لیے نہیں۔ اور رہا اقبال تو اس نے تو ساری زندگی ہی اس کا عظیم ... کے لیے وقف کی اس میں ترقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور روشن خیالی کے اس فتنے کا پردہ چاک کرنے کو مرکزیت حاصل تھی۔ جاوید نامہ میں کس بالغ نظری اور کس صاف گوئی اور راست فکری کے ساتھ وہ کہتا ہے:

شرق را از خود برد تقلیدِ غرب / باید ایں اقوام را تنقیدِ غرب
قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب / نے زرقصِ دخترانِ بے حجاب
نے ز سحرِ ساحرانِ لالہ روست / نے زعریاں ساق و نے از قطعِ موست
محکمی او را نہ از لا دینی است / نے فروغش از خطِ لاطینی است
حکمت از قطع و بریدِ جامہ نیست / مانعِ علم و ہنر عمامہ نیست
علم و فن را اے جوانِ شوخ و شنگ / مغز می باید نہ ملبوسِ فرنگ
اندریں رہ جز نگہ مطلوب نیست / ایں کلہ یا آں کلہ مطلوب نیست
فکرِ چالاک اگر داری بس است / طبعِ درّاکے اگر داری بس است
گر کسے شبہا خورد دودِ چراغ / گیرد از علم و فن و حکمت سراغ
ملکِ معنی کس حدِ او را نہ بست / بے جہادِ پیہمے ناید بدست

مشرق کو مغرب کی تقلید نے اپنا آپ بھلا دیا ہے۔ ان اقوامِ مشرق کو چاہیے کہ وہ مغرب کو تنقید کی نظر سے دیکھیں۔ مغرب کی قوت چنگ و رباب سے نہیں، نہ یہ بے پردہ لڑکیوں کے رقص کی وجہ سے ہے۔ نہ یہ سرخ چہرہ محبوبوں کے جادو کی وجہ سے نہ یہ ان کی عورتوں کی ننگی پنڈلیوں اور بال کٹانے سے ہے۔ نہ اس کا استحکام لادینی کی وجہ سے ہے اور نہ اس کی ترقی رومن رسم الخط کے باعث ہے۔ افرنگ کی قوت ان کے علم اور فن کے سبب سے ہے۔ ان کا چراغ اسی آگ سے روشن ہے۔ ان کی حکمت لباس کی قطع و برید کے سبب سے نہیں، عمامہ علم و ہنر سے منع نہیں کرتا۔ اے شوخ و شنگ جوان علم و فن کے لیے مغز چاہیے نہ کہ مغربی لباس۔ اس راہ میں صرف نگاہ مطلوب ہے، یہ ٹوپی یا وہ ٹوپی مطلوب نہیں۔ اگر تیرے اندر زود رس فکر اور تیز بین طبع ہے تو یہ دونوں چیزیں علم و فن کے لیے کافی ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی راتیں فکر اور مطالعہ میں بسر کرتا ہے تو وہ علم و فن اور حکمت کا سراغ پالیتا ہے۔ معانی کی سلطنت جس کی حدود کا تعین کوئی نہیں کرسکا، کوشش پیہم کے بغیر ہاتھ نہیں آتی۔

آج کی جمہوری تحریک کا چوتھا ہدف پاکستان کی نظریاتی شناخت کا تحفظ اور اسلامی تہذیب وثقافت پر اس حکومت کی سرپرستی میں پروان چڑھنے والی تہذیبی اور تمدنی یلغار کی بھرپور مزاحمت اور پاکستان کے اصل تصور کے مطابق اس کی تعمیرنو کے لیے اجتماعی جدوجہد اور نئی قیادت کو بروے کار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لانے کی کوشش ہے۔

بھارت سے دوستی لیکن کس قیمت پر؟

بھارت کے ساتھ دوستانہ تعلقات کے نام پر قومی غیرت اور پاکستان کے حقیقی مفادات کی قیمت پر بنیادی پالیسی کے معاملات میں ایسی قلابازیاں (U-turns) کھائی جارہی ہیں جن کے نتیجے میں نہ صرف ملک کی سلامتی اور استحکام معرضِ خطر میں ہے بلکہ پورے علاقے کا نقشہ ہی تہ و بالا ہوسکتا ہے۔ کشمیر کا مسئلہ محض کوئی سرحدی تنازع نہیں، یہ ڈیڑھ کروڑ انسانوں کی آزادی اور حقِ خودارادیت کا مسئلہ ہے اور پاکستان کے اسٹرے ٹیجک مفادات کے ساتھ ساتھ تقسیمِ ہند کے نامکمل ایجنڈے کا حصہ ہے۔ کسی فردِ واحد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے اپنے کھلنڈرانہ رویوں اور اپنی طالع آزمائیوں کا نشانہ بنائے۔ کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ قوم کے تاریخی موقف کو محض اپنے زعم میں تبدیل کر دے۔ اقوامِ متحدہ کی قراردادیں جہاں ایک اخلاقی اور قانونی معاہدہ ہیں، وہیں وہ ایک عالمی میثاق کی حیثیت رکھتی ہیں جس کے تین بنیادی فریق ہیں: پاکستان، بھارت اور جموں و کشمیر کے عوام۔ اقوام متحدہ اور پوری عالمی برادری اس میثاق کی ضامن ہے۔ تعجب کا مقام ہے کہ ایک فوجی جسے عالمی سفارت کاری اور بین الاقوامی قانون اور آداب کے باب میں کوئی مہارت حاصل نہیں، کسی مشورے اور مجاز اداروں کے کسی فیصلے کے بغیر، ترنگ میں آکر اقوام متحدہ کی قراردادوں کے بارے میں عالمی میڈیا کے سامنے یہ کہنے کی جسارت کرتا ہے کہ انھیں ایک طرف رکھا (set aside) جاسکتا ہے۔ صد افسوس یہ ہے کہ ایسا کہنے والے کا کوئی احتساب نہیں ہوتا، اور اقتدار کے پجاری نہ صرف اس کی تاویلیں کرنے لگتے ہیں بلکہ پوری کشمیر پالیسی کا رخ ہی بدل دیتے ہیں۔

اس قیادت کی سیاسی سوجھ بوجھ کے بارے میں کیا کہا جائے جو اسی پسپائی، عاقبت نااندیشی اور قومی مفادات سے بے وفائی کو اپنی ''جرأت اور بہادری'' کا نام دیتی ہے اور پھر خود اپنی تعریف کے راگ الاپتی ہے۔ ''جرأت و فراست'' کا عالم یہ ہے کہ جب امریکا بہادر کہتا ہے کہ ہمارا ساتھ دو، ورنہ ہماری دشمنی کے لیے تیار ہو جاؤ تو غیرمشروط ہتھیار ڈال دیتی ہے۔ لبنان اور شمالی کوریا جیسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمزور اور چھوٹے ممالک سفارت کاری میں جو جوہر دکھاتے ہیں' ہم اس کے گردِ راہ کو بھی نہیں پاسکتے۔ ۱۹۷۱ء کی شکست کے بعد بھی' شملہ معاہدے کے موقع پر سیاسی قیادت نہ صرف اقوام متحدہ کے چارٹر اور اس کے اصولوں کا ذکر شامل کرا لیتی ہے بلکہ جو بات بھی کرتی ہے وہ ''دونوں حکومتوں کے اصولی مؤقف پر کسی اثر کے بغیر'' کے فریم ورک میں کرتی ہے اور کشمیر کے مسئلے کے آخری حل (final solution) کو ایجنڈے میں رکھتی ہے۔ لیکن ہمارے فوجی حکمران ان تمام قانونی اور سفارتی نزاکتوں کا کوئی ادراک نہیں رکھتے اور بس جرأت کا صرف یہ مفہوم سمجھتے ہیں کہ مستعدی سے دوسروں کے مطالبات کے آگے سپر ڈال دیں اور اپنے مؤقف کو چشم زدن میں ترک کر دیں۔

جمہوری جدوجہد کا پانچواں ہدف کشمیر کے معاملے میں قوم کے جذبات اور عزائم اور پاکستان کے حقیقی مفادات کی روشنی میں ایک ایسے محکم اور مبنی برحق موقف کا اعادہ ہے جو جموں و کشمیر کے عوام کے عزائم اور اہداف سے مطابقت رکھتی ہو' جو ان کی تاریخی جدوجہد کی قربانیوں کی لاج رکھنے والی ہو اور جو پاکستان اور جموں و کشمیر کے عوام کے بہترین مفاد میں ہو۔ پاکستانی قوم بھارت سے دوستی ضرور چاہتی ہے لیکن غیرت اور ملکی اور ملّی مفادات پر کوئی سمجھوتہ کیے بغیر۔

○ **غربت اور مہنگائی**: عوامی احتجاج کا ایک اور ہدف وہ معاشی مشکلات ہیں جو اس حکومت کی پالیسیوں کا نتیجہ ہیں اور جن کی وجہ سے عام آدمی کی زندگی اجیرن ہوگئی ہے۔ زرِمبادلہ کے ذخیرے میں اضافہ بجا' لیکن جس زرمبادلہ کا کوئی فائدہ عوام کو اور خصوصیت سے مجبور اور پسے ہوئے طبقات کو نہیں اس کا کیا حاصل؟ غربت کی شرح بڑھ رہی ہے اور آج ۵ کروڑ سے زیادہ افراد دو وقت کی روٹی کو ترس رہے ہیں۔ اگر ۱۹۹۰ء میں خطِ غربت سے نیچے زندگی گزارنے والی آبادی کُل آبادی کا ۲۰-۲۲ فی صد تھی تو ۲۰۰۴ء میں ان کی تعداد ۳۲-۳۴ فی صد ہوگئی ہے۔ اگر ۱۹۹۹ء میں بے روزگاری کا تناسب صرف ۵ فی صد تھا تو ۲۰۰۴ء میں وہ بڑھ کر ۸ فی صد سے بڑھ گیا ہے۔ تیل اور گیس کی قیمتوں میں ان پانچ سالوں میں ۸۰ فی صد اضافہ ہوا ہے۔ پٹرول ۱۹۹۹ء میں ۲۶ روپے لٹر تھا جو آج ۴۶ روپے لٹر ہے۔ آٹا ۹ روپے کلو تھا' اب ۱۹ روپے کلو ہے۔ چینی ۱۳ روپے کلو تھی' اب ۲۰ روپے کلو ہے۔ عوام چیخ رہے ہیں' اور جنرل پرویز مشرف اور ان کے ارب پتی معاشی مینیجر مبادلہ خارجہ کے ذخائر کے اضافے پر شادیانے بجا رہے ہیں اور کل تک جس اسٹاک ایکسچینج کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوش ربا ترقی پر نازاں تھے، اب مہینے بھر میں ہی اس میں ۴۰ فی صد کمی پر بغلیں جھانک رہے ہیں۔ جنرل مشرف اور ان کی حکومت بے شک 'ابن مریم' ہونے کا دعویٰ کریں لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ عوام کے دکھوں کا مداوا کون کرے، ان کے زخموں پر مرہم کا پھاہا کون رکھے؟

عوامی جدوجہد کا ایک اہم ہدف، اس معاشی استحصال اور ظلم کا خاتمہ اور ملک کی معاشی ترقی کا وہ آہنگ اختیار کرنا ہے جس کے نتیجے میں ترقی کے ثمرات عوام تک پہنچ سکیں، بے روزگاری ختم ہوسکے، مہنگائی کا عفریت قابو میں لایا جاسکے، دولت کی غیر مساویانہ تقسیم کو حدود کا پابند کیا جا سکے۔ اشیاے ضرورت عام آدمی کی دسترس میں ہوں، معاشی ترقی کے مواقع سب کو حاصل ہوں۔

○ **صوبوں کی بے اطمینانی:** جنرل مشرف نے اکتوبر ۹۹ء کے خطاب میں ایک ہدف صوبوں کے درمیان ہم آہنگی اور مرکز اور صوبوں کے تعلقات میں سدھار کو قرار دیا تھا مگر آج مرکز اور صوبوں میں جتنا بُعد ہے اور چھوٹے صوبے جس بے چینی اور اضطراب میں مبتلا ہیں، وہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے پہلے کے پُرآشوب حالات سے گہری مماثلت رکھتا ہے اور تمام محبّ وطن عناصر کے لیے شدید پریشانی کا باعث ہے۔ مشترکہ مفادات کی کونسل ایک دستوری ادارہ ہے، اس کا ایک بھی اجلاس گذشتہ پانچ سال میں نہیں ہوا۔ نیشنل فنانس ایوارڈ پر صوبوں کے مالیات اور ترقی کا انحصار ہے، اس پانچ سال میں کوئی ایوارڈ نہیں دیا جاسکا۔ صوبہ سرحد اپنے حق کے لیے چیخ رہا ہے، بلوچستان کے عوام محرومیوں اور امتیازی سلوک کا شکار ہیں، سندھ میں بھی بے چینی کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔ پانی کی تقسیم اور آبی ذخائر کی تعمیر کے مسئلے کو اتنا الجھا دیا گیا ہے کہ اب وہ ایک فنی مسئلے سے بڑھ کر ایک پیچیدہ سیاسی مسئلہ بن گیا ہے۔ شمالی علاقہ جات اور بلوچستان کے حساس علاقوں میں تصادم کی آگ پارلیمانی کمیٹی بجھانے کی کوشش کر رہی ہے لیکن جنرل صاحب کے اندازِ کلام میں کوئی فرق نہیں اور وہ اپنے اذیت ناک اور توہین آمیز لب و لہجے میں کوئی تبدیلی لانے کو تیار نہیں جس کی وجہ سے حالات مزید بگاڑ کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ ابھی تک مضبوط مرکز ہی پاکستان کی مضبوطی سمجھتے ہیں، جب کہ مضبوط صوبوں اور مطمئن صوبوں کے بغیر پاکستان کی مضبوطی کا تصور ہی ناممکن ہے۔

عوامی جمہوری تحریک کا ایک ہدف حقیقی وفاقی نظام کا قیام اور مرکز اور صوبوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیارات کی ایسی تقسیم اور اس کا نفاذ ہے جو صوبوں کی مضبوطی اور ترقی کا باعث ہو اور صوبوں کی مضبوطی اور ترقی کے ذریعے پاکستان مضبوط اور مستحکم ہوسکے۔

جو سیاسی تحریک متحدہ مجلس عمل کی قیادت میں مارچ ۲۰۰۵ء میں شروع ہوئی ہے اور جس کو ۲ اپریل ۲۰۰۵ء کو ہڑتال نے مہمیز دی ہے وہ انھی اہداف کے حصول کے لیے ہے اور ان کے مکمل حصول تک ان شاء اللہ جاری رہے گی۔

ویب سائٹ پر راے عامہ

یہ اہداف عوام کے اصل جذبات اور عزائم کے آئینہ دار ہیں۔ مجلس عمل نے ان کو زبان دی ہے اور انھیں حاصل کرنے کے لیے جمہوری اور عوامی تحریک شروع کی ہے۔ تاہم یہ بھی ایک چشم کشا حقیقت ہے کہ جس طرح چاروں ملین مارچ اور ۲ اپریل کی ہڑتال میں یہ اہداف اور مقاصد ہر کسی کی زبان پر رہے ہیں، ایک تازہ جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنرل مشرف کی ذاتی ویب سائٹ پر بھی سوالات کی شکل میں انھی کی بارش ہو رہی ہے اور جنرل صاحب جو الٹے سیدھے جوابات دے رہے ہیں، وہ ان کی بوکھلاہٹ کے غماز ہیں۔ دی نیوز انٹرنیشنل لندن میں ۸ اپریل ۲۰۰۵ء کو شائع ہونے والے ایک جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ویب سائٹ پر سب سے زیادہ سوالات اور اعتراضات مہنگائی کے مسئلے پر آئے ہیں اور دوسرے نمبر پر آنے والے سوالات کا تعلق جنرل صاحب کی نام نہاد "روشن خیال اعتدال پسندی" پر لوگوں کے احساسات اور اضطرابات ہیں۔ تجزیہ نگار لکھتا ہے کہ: جہاں تک روشن خیال اعتدال پسندی کا تعلق ہے، بظاہر عوام زیادہ آزادروی سے خوش نہیں ہیں جو الیکٹرانک میڈیا کے بعض چینلوں میں ظاہر ہو رہی ہے۔

جنرل صاحب نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ وہ خود بھی حد سے زیادہ مغرب زدگی (over westernization) کے حق میں نہیں لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ مسئلہ محض الیکٹرانک میڈیا کا نہیں، ان کی ملک گیر پالیسی کا ہے اور پھر اصل مسئلہ حد سے زیادہ مغرب زدگی کا نہیں بلکہ جدیدیت (modernization) کے نام پر مغرب زدگی ہے جو اُمت مسلمہ کے عقیدے، تہذیب، تاریخ اور روایات کے خلاف ہے اور جسے ایک مفاد پرست طبقہ بیرونی میڈیا، این جی اوز اور ملٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیشنل کمپنیوں کی معرفت جنرل صاحب کی سرپرستی میں فروغ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

تیسرے نمبر پر آنے والے سوالات کا تعلق پاکستان کی آزادی اور حاکمیت سے ہے اور عوام نے امریکا کے بڑھتے ہوئے اثرات اور اس کی کاسہ لیسی کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ چوتھے نمبر پر پاکستان کے نیوکلیر اثاثوں کی حفاظت اور ڈاکٹر عبدالقدیر خاں سے کیے جانے والے سلوک کے بارے میں عوام کا اضطراب ہے۔ جائزے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ عوام کے ایک حصّے کا خیال ہے کہ: Pakistan is selling its sovereignity cheaply (پاکستان اپنی خودمختاری اور حاکمیت کو کوڑیوں کے دام فروخت کر رہا ہے)۔

جنرل صاحب اس پر بہت برافروختہ ہیں اور جس نوعیت کے جوابات دے رہے ہیں اس میں دلیل سے زیادہ غصہ، اور حقائق کی بنیاد پر بات کرنے کے بجاے اپنی ذات پر اعتماد اور بھروسے کا سہارا زیادہ ہے۔ اس ویب سائٹ سے جنرل صاحب یا پالیسی سازی کے ذمہ دار کوئی فائدہ اٹھاتے ہیں یا نہیں، لیکن اس سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ جو بات ایم ایم اے کے ملین مارچوں میں کہی جا رہی ہے اور جس کا اظہار ۲ اپریل کی عوامی ہڑتال میں ہوا ہے، وہی اصل عوامی جذبات، احساسات اور مسائل کا آئینہ ہے۔ جنرل صاحب کی ویب سائٹ پر بھی اسی کا پرتو دیکھا جاسکتا ہے۔ اسے دی نیوز کے جائزے میں Let this be a wakeup call for all (اس سے سب لوگوں کی آنکھیں کھل جانا چاہییں) کہا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وی وی آئی پی کلچر سے نکلنے کی ضرورت ہے۔ نقارۂ نقارہ

طلبہ کنونشن : نوشتۂ دیوار

انھی دنوں راے عامہ کا ایک فیصلہ کن اظہار ۹ اپریل ۲۰۰۵ء کو جناح کنونشن سنٹر میں منعقد ہونے والے قومی طلبہ کنونشن میں جنرل مشرف کی موجودگی میں ہوا۔ اس کنونشن کے مقررین اور حاضرین سب چھلنیوں سے گزر کر پہنچے تھے لیکن اس کے باوجود جب کچھ دبنگ طلبہ مقررین نے وردی پر وعدہ خلافی، وانا میں ترقیاتی کاموں کے نام پر فوج کے استعمال، بلوچستان والوں کو وہاں سے ہٹ (hit) ہونے کی دھمکی جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتے، فوج کے اقتدار سنبھالنے، اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بسنت منانے جیسے پروگراموں پر عوام کا نقطۂ نظر پیش کیا تو بھرا ہوا ہال تالیوں سے گونج گونج اٹھا۔ جنرل مشرف نے جواب میں اپنی گھسی پٹی باتیں دہرائیں لیکن وہ بھی جانتے تھے کہ وہ اپنے سوا کسی کو قائل نہیں کر رہے ہے۔ اگر اس پر بھی وہ نوشتۂ دیوار نہ پڑھیں تو ان کی بالغ نظری کو کیا کہا جائے۔

متحدہ مجلس عمل نے ایک بڑی قومی خدمت بروقت انجام دی ہے کہ اس نے عظیم عوامی تحریک کے ذریعے قوم کے اصل مسائل اور اس کے حقیقی عزائم اور اہداف پر سب کی توجہ کو مرکوز کیا ہے۔ یہ المیہ ہے کہ بہت سی احزاب اختلاف ساحل سے نظارۂ طوفان کر رہی ہیں اور اپنی اپنی مخصوص ترجیحات میں گرفتار ہیں۔ ملک کی ضرورت آج یہ ہے کہ سب محب وطن اور جمہوری قوتیں مل کر ملک کو بحران سے نکالنے کی اجتماعی جدوجہد کریں اور امریکا کے اس کھیل کا پردہ بھی چاک کردیں کہ جنرل صاحب کسی روشن خیال اعتدال پسندی کے داعی ہیں اور دوسری نام نہاد لبرل قوتوں کو ان کا حلیف ہونا چاہیے۔ آج مسئلہ نام نہاد روشن خیالی اور اعتدال پسندی نہیں، یہ تو جنرل صاحب کی انتہاپسندی اور شخصی حکومت کو دوام بخشنے کے لیے محض ایک حربہ اور دھوکا ہے۔ پاکستان کی بنیاد اور پاکستان کے دستور کے ستون اسلام، پارلیمانی جمہوریت اور اصول وفاق ہیں۔ یہی تین ستون عوامی جمہوری جدوجہد کی بنیاد ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان سب کا حاصل پاکستان کی آزادی اور حاکمیت کے تحفظ کے ساتھ، اس کی اسلامی تہذیبی شناخت کی ترقی اور استحکام اور سب کے لیے عدل وانصاف کا قیام ہے۔ یہی آج عوام کے دل کی آواز ہے اور پاکستان کی ترقی اور استحکام کا اصل نسخہ ہے۔

(یہ تحریر مشرف حکومت کے خلاف عوامی تحریک کے عنوان سے دستیاب ہے۔

قیمت: ۵ روپے، سیکڑے پر رعایت۔ منشورات، منصورہ، لاہور۔ فون: ۰۴۲-۵۴۳۴۹۰۹)

© rasailojaraid.com